Research Journal of Islamic Studies

Volume: 2 Issue: 1

Jan-Jun 2025

Page No: 01-15

The Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

https://journals.gscwu.edu.pk/index.php/mishkat-ulilm/about

غربت کے خاتمے کے لیے نبوی حکمت عملیاں اور عصر حاضر میں ان کا اطلاق

Prophetic strategies to alleviate poverty and their application in the contemporary era

Ayesha Habib
Bahawalpur, Pakistan.
ORCID: 0009-0006-8724-0761
Gmail: raisshahzadshb@gmail.com

Abstract

Poverty is a critical issue that affects human societies at large. The Prophet Muhammad (peace be upon him) presented a comprehensive strategy to alleviate poverty, combining spiritual, moral, social, and economic measures. This study explores the prophetic strategies employed to combat poverty, such as the promotion of charity (Zakat, Sadaqah), encouragement of work and self-reliance, equitable distribution of wealth, and establishment of a welfare system. Furthermore, the paper analyzes how these timeless principles can be practically implemented in the modern era to address poverty-related challenges. By drawing lessons from the Prophet’s methods, contemporary societies can formulate effective poverty alleviation policies that are both sustainable and just.

Keywords: Prophetic Strategy, Poverty in Islam, Sunnah and Social Justice, Islamic Welfare State

دنیا کی تاریخ میں غربت ایک ایسا ہمہ گیر اور مستقل مسئلہ رہا ہے جس نے نہ صرف افراد کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈالا ہے بلکہ معاشرتی نظاموں کی بنیادوں کو بھی متزلزل کیا ہے۔ غربت کی موجودگی نے انسانی سماج میں کئی اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی بحرانوں کو جنم دیا، جنھوں نے بالآخر معاشرتی ڈھانچوں کو شکست سے دوچار کیا۔ تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں مختلف تہذیبوں نے غربت کے مسئلے کو حل کرنے کی کوششیں کیں، تاہم اکثر و بیشتر یہ کوششیں وقتی اور غیر مؤثر ثابت ہوئیں۔ اسی پس منظر میں اسلام نے انسانی مسائل کا ایک جامع، مکمل اور دیرپا حل پیش کیا، جس کی بنیاد عدل، مساوات اور رحم دلی پر رکھی گئی۔

آپ ﷺ نے انفرادی، اجتماعی اور ریاستی سطح پر ایسے اقدامات متعارف کروائے جو غربت کے دائمی خاتمے کی ضمانت فراہم کرتے تھے۔ آج کے دور میں جب دنیا معاشی ناہمواریوں، غربت اور محرومی کے شدید مسائل کا شکار ہے، نبوی حکمت عملیوں کا "مطالعہ "نہایت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ جدید دنیا کے لیے نبی اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت میں وہ لائحہ عمل موجود ہے جو نہ صرف غربت کے خاتمے کے لیے موثر ہے بلکہ ایک عادلانہ، پائیدار اور خوشحال سماج کی تعمیر کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔ اس لیے غربت کے خاتمے کے لیے نبوی حکمت عملی کا تفصیلی جائزہ لینا محض ایک تاریخی مطالعہ نہیں، بلکہ ایک عملی رہنمائی حاصل کرنا ہے جس سے آج کا انسان اپنے اقتصادی اور معاشرتی بحرانوں کا پائیدار حل تلاش کر سکتا ہے۔

موجودہ تحقیق میں سیرتِ نبوی کی روشنی میں غربت کے مسئلے کا تجزیہ کیا جائے گا، نبوی حکمت عملیوں کو موجودہ دور کے تناظر کرتے ہوئے یہ دیکھا جائے گا کہ سیرتِ نبوی کی روشنی میں غربت کا خاتمہ کس طرح ممکن ہے۔

غربت کا لغوی معنی: لغت میں غربت کا مفہوم "دور ہونا"، "اجنبی ہونا" اور "ضرورت مند ہونا" کے معانی میں آتا ہے۔ لسان العرب میں "غَرَب" کے مادہ سے نکلنے والے الفاظ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ "غربت" کے بنیادی معنی اجنبیت، دوری اور محتاجی کے ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: **"الغُربةُ: البُعدعن الوطن، والحاجةُ والفقرُ"**[1]

یعنی غربت سے مراد اپنے وطن سے دوری اور تنگ دستی ہے۔ عرب لغت کے مطابق فقر اور غربت میں یہ فرق پایا جاتا ہے کہ فقر بنیادی طور پر مال و دولت کی کمی کو کہا جاتا ہے جبکہ غربت میں اجنبیت اور دوری کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔

غربت کا اصطلاحی مفہوم: اصطلاحی طور پر غربت سے مراد وہ حالت ہے جس میں انسان اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی جیسے خوراک، لباس، رہائش، علاج اور تعلیم کے مناسب وسائل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں انسان نہ صرف مادی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے بلکہ روحانی، ذہنی اور معاشرتی اعتبار سے بھی کئی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے:

"الفقر: الحاجة إلى الشيء، ويستعمل في الحاجة إلى المال خاصة"[2]

یعنی فقر کا مطلب کسی چیز کی حاجت اور ضرورت ہے، اور عمومی طور پر یہ مال کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ غربت ایسی کیفیت ہے جو انسان کو اپنی بنیادی انسانی ضروریات کے لیے دوسروں کا محتاج بنا دیتی ہے۔

غربت کے اقسام:

1. **مطلق غربت (الفقر المطلق):** مطلق غربت سے مراد وہ حالت ہے جب انسان اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی، جیسے خوراک، لباس، رہائش اور صحت کی سہولیات سے پورے طور پر بلکل محروم ہو جاتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے شخص کو "مسکین" بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس بقاء کے لیے درکار سامان نہ ہو۔ قرآن مجید میں مطلق غربت کا ذکر انفاق فی سبیل اللہ کے سیاق میں موجود ہے:

"لِلْفُقَرَاءِالَّذِينَ أُحْصِرُوافِي سَبِيلِ اللَّهِ"[3]

2. نسبی غربت (الفقر النسبي): نسبی غربت وہ کیفیت ہے جب انسان سماج میں دوسروں کے مقابلے میں کم سہولیات کا حامل ہو، اگرچہ بنیادی ضروریات کسی حد تک پوری ہو رہی ہوں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"دیکھو اپنے سے کمتر لوگوں کو اور نہ دیکھو ان سے اوپر والوں کو، یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ تم اللہ کی نعمتوں کو کم نہ جانو۔"[4]

یہ حدیث نسبی غربت کے احساس کو متوازن رکھنے کی تعلیم دیتی ہے۔

3. وقتی غربت (الفقر المؤقت): وقتی غربت عارضی نوعیت کی ہوتی ہے جیسا کہ کسی آزمائش، بیماری، یا بے روزگاری کے فقدان کی وجہ سے پیش آتی ہے "سیرت نبی ﷺ" میں ایسے متعدد واقعات بھی موجود ہیں جن میں بعض صحابہ کرام عارضی طور پر تنگ دستی کا شکار ہوئے، مثلاً اہل صفہ کا گروہ جنھیں عارضی غربت نے گھیر لیا تھا۔[5]

4. دائمی غربت (الفقر المزمن): دائمی غربت وہ کیفیت ہے جو طویل عرصہ تک برقرار رہے اور نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جائے تو یہ صرف انفرادی نہیں بلکہ خاندانی اور معاشرتی سطح پر محرومی کا باعث بن جاتی ہے ایسے حالات میں فرد یا خاندان معاشرتی ترقی سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے دعا کی:

"اللهم إني أعوذبك من الكفروالفقر."[6]

"اے اللہ! بے شک میں تیری حضوری میں پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے۔"

غربت کے اسباب

1۔ پست استعداد کار: جب کسی قوم یا فرد میں محنت، جدوجہد اور تخلیقی صلاحیتوں کا فقدان ہو تو اس کے نتیجے میں معیشت کمزور اور غربت عام ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم بار بار محنت اور سعی کی تلقین کرتا ہے: "اور ہر شخص کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کی وہ (بھرپور) کوشش کرتا ہے۔" نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں محنت کو بھی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے کام کرنے والے مزدور کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اس کی عظمت کو اجاگر فرمایا۔[7]

2۔ ناقص منصوبہ بندی: معاشرتی اور اقتصادی ڈھانچوں میں غربت کے فروغ کی ایک بڑی وجہ ناقص منصوبہ بندی ہے۔ جب ریاستی اور معاشرتی سطح پر وسائل کے استعمال، ترقیاتی منصوبوں اور فلاحی پروگراموں میں درست اندازہ کاری، معقول حکمت عملی اور مستقبل کی صحیح پیش بینی نہ ہو تو نتیجتاً غربت میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی ہر کام میں تدبر اور مشورہ کی اہمیت پر زور دیا ہے: "اور وہ بندے جو اپنے "رب" کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں، نماز باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اور ان کے ہر امور مشورے سے طے پاتے ہیں، اور جو کچھ اللہ نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"[8]

نبی اکرم ﷺ نے بھی مدینہ کی ریاست میں ہر منصوبہ بندی باقاعدہ مشاورت اور عدل و انصاف، جیسے مدینہ منورہ میں مواخات کا نظام اور بازاروں کا قیام۔[9]

3۔ مالداروں کی غفلت: معاشرتی نظام میں جب مالدار افراد اپنے اخلاقی اور دینی فرائض کو فراموش کر دیتے ہیں اور غرباء کی خبر گیری سے غافل ہو جاتے ہیں تو غربت اور محرومی میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں اور محتاجوں کی پرواہ نہیں کرتے:

"ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے۔ جو غافل ہیں اپنی نمازوں سے، اور جو کام کرتے ہیں دکھاوے کے لیے، اور معمولی چیزوں سے بھی گریز کرتے ہیں"[10]

مالدار طبقہ اگر صدقات، خیرات اور فقراء کی ضروریات کا اہتمام نہ کرے تو یہ طبقاتی تفریق کو بڑھا دیتا ہے، جس کا نتیجہ غربت کے دائمی تسلسل کی صورت میں نکلتا ہے۔

4۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم: دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ جانا اور عام افراد کا معاشی حقوق سے محروم رہ جانا غربت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ رسول کریم ﷺ نے غربت اور محرومی کے خاتمے کے لیے زکوۃ، صدقات اور وراثت کے قوانین مقرر کیے تاکہ دولت معاشرتی سطح پر گردش کرتی رہے۔ یہ اصول اگر نافذ ہو جائے تو غربت کے سدباب میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

غربت کے خاتمہ کے خلاف نبوی حکمت عملی

زکوۃ کا نظام: اسلام نے اپنے نظامِ معیشت میں غربت کے خاتمے کے لیے جو اصول وضع کیے، ان میں زکوۃ کا نظام سب سے بنیادی اور مؤثر حکمت عملی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ منورہ میں قائم کرتے ہی زکوۃ کو محض ایک انفرادی اخلاقی عمل کے بجائے ایک ریاستی ذمہ داری بنا دیا۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے سورہ توبہ میں زکوۃ کے مستحقین کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"صدقہ تو فقیروں، مسکینوں، عاملین، مؤلفۃ القلوب، گردنیں کے چھڑانے، مقروضوں، اللہ کی رستے میں اور مسافر لوگوں کے لیے فرض ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ تعالی کی "ذات "علم اور دنائی میں بے مثال ہے۔"[11]

جس سے پتہ چلتا ہے کہ زکوۃ کا مقصد مالی گردش کو سماج کے پسماندہ طبقات تک پہنچانا تھا۔

عاملین زکوۃ کی تقرری اور مالدار قبائل سے زکوۃ کی باقاعدہ وصولی نبی ﷺ کے عہد میں ایک ادارہ جاتی شکل اختیار کر چکی تھی۔ زکوۃ کا اصل مقصد چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو روکنا اور مال کو معاشرے کے تمام طبقات میں گردش دینا تھا۔ رسول کریم ﷺ کی قائم کردہ اس ریاستی زکوۃ پالیسی نے مدینہ میں ایک ایسا مثالی سماج قائم کیا جہاں معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ ہوا اور کمزور طبقات کو عزت و وقار کی زندگی میسر آئی۔ زکوۃ کے اس عظیم الشان ادارے کی اہمیت خلفائے راشدین کے دور میں مزید واضح ہوئی۔

جب بعض قبائل نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کیا، تو "سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت عزم و استقلال کے ساتھ حکم فرمایا" کہ "اللہ رب العزت کی قسم! میں ان لوگوں کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان تفریق کریں گے، کیونکہ زکوۃ بھی مال پر واجب اللہ کا حق ہے"۔[12]

آج بھی اگر نبوی طرز پر زکوۃ کا نظام ریاستی سطح پر منظم کیا جائے تو یہ دنیا بھر میں غربت، بے روزگاری اور طبقاتی فرق کے خاتمے کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

بیت المال کا قیام: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جو بندے جمع کرتے ہیں سونے کو اور چاندی کو، اور انہیں خرچ نہیں کرتے اسے اللہ رب العزت کے راستے میں، "خوشخبری سنا دو" ان کو اس عذاب کی جو کہ درد دینے والا ہے"[13]

یہ آیت اس بات کا اعلان ہے کہ اسلام میں دولت کا ذخیرہ کرنا اور اسے معاشرے کی فلاح کے لیے استعمال نہ کرنا قابلِ گرفت ہے "رسول کریم ﷺ" نے اس تعلیم کی روشنی میں "ریاستِ مدینہ" میں بیت المال کا ایک باضابطہ نظام قائم فرمایا، تاکہ معاشرے کے محروم اور کمزور طبقات کے حقوق کی بحالی کو یقینی بنایا جا سکے چنانچہ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

"سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں" کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" تم میں سے ہر فرد ذمہ دار ہے اور اس کی نگرانی میں آنے والوں کے بارے میں اس سے ضرور باز پرس کی جائے گی۔"[14]

یہ حدیث اس تصورِ ریاست کو واضح کرتی ہے جس میں حاکمِ وقت صرف حکمرانی نہیں بلکہ رعایا کی معاشی، اخلاقی اور سماجی کفالت کا پابند ہوتا ہے۔ "رسول کریم ﷺ" نے مدینہ میں "بیت المال" کو صدقات، زکوۃ، خمس، جزیہ اور عطیاتِ عامہ کا مرکز بنایا۔

سیرت نگار "علامہ شبلی نعمانی" لکھتے ہیں: "نبی ﷺ کی مالی پالیسی میں نمایاں اصول یہ تھا کہ "بیت المال" کو عوامی فلاح کے لیے وقف کر دیا جائے کہ یہ نظام کسی فرد یا خاندان کے زیر اثر نہ ہو"[15] اس نظام کی خاص بات یہ تھی کہ آمدنی کو طویل المدت ذخیرہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ جیسے ہی مال آتا، اسے فوری مستحقین میں بانٹ دیا جاتا۔

مواخات مدینہ: قرآن حکیم میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

> " اور ان لوگوں کے لیے بھی (اللہ کی رضا ہے) جنہوں نے ہجرت کرنے والوں سے پہلے ہی مدینہ میں ایمان کے ساتھ ٹھکانا بنایا، وہ ان (مہاجرین) سے دل سے محبت رکھتے ہیں جو ان کے پاس آئے، اور ان کو جو کچھ بھی دیا گیا وہ اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے، بلکہ (خود تنگ دستی کے باوجود) دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں وہی کامیاب ہیں۔"[16]

یہ آیتِ مبارکہ مدینہ کے انصار کے عظیم ایثار، خلوص نیت ارو قربانی کی بہترین مثال پیش کرتی ہے، جنہوں نے اپنے مال ومتاع، گھر اور دل کے دروازے مہاجرین کے لیے کھول دیے۔ نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، تو وہاں آپ ﷺ نے سب سے پہلا جو جامع اور نتائج کا حامل اقدام کیا، وہ انصار اور مہاجرین کے درمیان "مواخات" یعنی بھائی چارے کا باقاعدہ نظام قائم کیا، اس نظام کے تحت انصار میں سے ہر شخص کو مہاجرین میں سے ایک بھائی مقرر کیا گیا، اور دونوں کو باہمی طور پر ایک دوسرے کے دکھ کا ساتھی، اور معاشی اور سماجی اعتبار سے ایک دوسرے کا مددگار قرار دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

"رسولِ کریم ﷺ نے سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم فرمایا۔ "سیدنا سعد نے سیدنا عبد الرحمٰنؓ سے کہا کہ میں انصار میں سے مالدار ترین لوگوں میں شامل ہوں۔" لہٰذا آپ میرے مال کا نصف لے لیں۔ "ساتھ ہی انہوں نے ذکر فرمایا کہ میری دو بیویاں ہیں۔" آپ ان میں سے دیکھ لیں، اگر ان میں سے کوئی آپ کو پسند آجائے پس مجھے بتا دیں۔ "میں اُسے طلاق دے دوں گا۔" جب اس کی عدت ختم ہو جائے گی تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ "اس پر سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل وعیال اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ "مجھے صرف یہ بتا دیں آپ کا بازار کہاں ہے؟" چنانچہ انہوں نے ان کو (قبیلہ بنی قینقاع کا) بازار دکھا دیا۔ "حضرت عبد الرحمٰن بن عوف وہاں تجارت کرنے لگے۔"[17]

یہ مواخات محض اخلاقی رشتہ نہیں تھا بلکہ ایک مکمل سماجی ومعاشی اصلاحی پالیسی تھی، جس نے نوزائیدہ اسلامی ریاست کو مضبوط معاشی بنیادیں فراہم کیں۔ سیرت ابن ہشام کے طابق، نبی ﷺ نے تقریباً 90 مہاجرین کو مدینہ کے انصار کے ساتھ جوڑا، اور ہر جوڑے کو باہم اس طرح مربوط کیا کہ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو آدھا مال، آدھا گھر، اور تجارت میں شرکت تک پیش کر دیتے احیا العلوم میں امام غزالی نے لکھا ہے: "مواخاتِ مدینہ اسلام کے معاشی نظام میں ایک انقلابی قدم تھا، جس نے طبقاتی تفاوت، ذاتی ملکیت کی شدت، اور غربت کے اثرات کو زائل کرنے کا عملی ماڈل پیش کیا۔"[18]

اس نظام کے ذریعے نبی ﷺ نے ایک ایسا سماج تشکیل دیا جہاں مواخات کی بنیاد پر ہر مہاجر کو عزت، کفالت اور شرکت کا مقام ملا، اور انصار نے کسی مالی منفعت کے بغیر ان کی پشت پناہی کی۔ اس اقدام سے نہ صرف مہاجرین کی غربت کا فوری حل نکلا بلکہ طبقاتی ہم آہنگی، معاشی استحکام اور سماجی اتحاد کا ایک بے مثال نمونہ دنیا کے سامنے آیا۔

غنیمت، فئے، خراج اور عشر کی تقسیم کا عدالتی نظام: اسلامی ریاست کا بنیادی ہدف نہ صرف مذہبی اصولوں کا نفاذ تھا بلکہ ایک ایسا سماجی نظام تشکیل دینا بھی تھا جو عدل و مساوات پر مبنی ہو۔ مدینہ کی اسلامی ریاست، جس کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، اس بات کا عملی مظہر ہے کہ حکومت کی معاشی پالیسیاں غربت کے خاتمے، طبقاتی تفاوت کی روک تھام اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کے لیے کس قدر مؤثر ہو سکتی ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے حضور اکرم ﷺ نے جن مالیاتی ذرائع کو استعمال کیا، ان میں غنیمت، فے، خراج اور عشر خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ ان ذرائع کو صرف آمدن کے طور پر نہیں دیکھا گیا بلکہ ریاستی پالیسی کے ایک اہم ستون کے طور پر استعمال کیا گیا، تاکہ مالی اور سماجی عدل قائم ہو۔

مالِ غنیمت، جو کہ جنگی فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہوتا تھا، ابتدا میں عرب معاشرے میں صرف طاقتور قبائل کی ملکیت بن جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر مکمل ریاستی اختیار قائم کر کے اسے بیت المال کا حصہ بنایا اور منصفانہ تقسیم کے ضابطے مقرر کیے۔ اس تقسیم میں ان افراد کو ترجیح دی گئی جو مالی اور معاشی لحاظ سے کمزور تھے، جیسے مہاجرین، بیوگان، یتامیٰ، اور دیگر مستحقین۔ اس حکمت عملی نے نہ صرف غربت کے شکار افراد کو مالی استحکام دیا بلکہ معاشرتی انتشار اور نابرابری کو بھی روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ابن ہشام اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غنیمت کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول یہ تھا کہ "الاستحقاق مقدم علی القرابۃ" یعنی استحقاق کو خاندانی تعلقات پر ترجیح دی گئی۔[19]

فے کے اموال، جن میں دشمن کی ترک کردہ زمینیں اور املاک شامل تھیں، حضور اکرم ﷺ نے انہیں بیت المال میں جمع کر کے فلاحی مصارف کے لیے مختص کیا۔ اس میں نہ صرف غرباء بلکہ ایسے افراد بھی شامل تھے جو معاشی طور پر کمزور مگر سماجی طور پر فعال تھے، مثلاً تعلیم، صحت اور دیگر عوامی خدمات سے وابستہ افراد۔ ابو عبید، جو اسلامی اقتصادیات پر ابتدائی ماہرین میں شمار ہوتے ہیں، فے کی تقسیم کو "نظامی عدل" کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فے کے اموال کو ایسے نظام کے تحت تقسیم فرمایا جو نہ صرف فوری فلاح کے لیے مؤثر تھا بلکہ مستقبل کی ریاستی پالیسی کا حصہ بھی تھا۔[20]

نظامِ خراج بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا جس کے ذریعے ریاست نے زراعت پر مبنی معیشت سے منسلک آمدن کو منظم انداز میں فلاحی نظام میں شامل کیا۔ خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کی زمینیں مسلمانوں کے تصرف میں دے دیں اور ان پر خراج عائد کیا۔ اس فیصلے کے ذریعے غیر مسلم آبادی کو بھی مالی و سماجی ڈھانچے میں شامل کیا گیا، جس سے نہ صرف ریاستی آمدن میں اضافہ ہوا بلکہ بین المذاہب ہم آہنگی بھی پیدا ہوئی۔ امام ابو یوسف اس نظام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خراج نہ صرف ریاستی آمدن کا مستقل ذریعہ بنا بلکہ یہ عدل اور حکمت کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا ذریعہ بھی تھا۔[21]

عشر، جو زرعی پیداوار پر عائد مالی فریضہ تھا، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مذہبی عبادت کا پہلو نہیں دیا بلکہ اس میں معاشرتی و اقتصادی نظم کو بھی شامل کیا۔ عشر کے نظام کے ذریعے ریاست کو زرعی پیداوار کا ایک مستقل حصہ ملتا، جو براہِ راست غرباء، مساکین، اور دیگر مستحق طبقات میں تقسیم کیا جاتا۔ اس سے نہ صرف زمیندار طبقے کی ذمہ داری طے ہوتی بلکہ زرعی دولت کی گردش بھی ممکن ہوتی۔ امام قرطبی عشر کے نظام کو اسلامی معیشت کی بنیاد قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ ریاستی سطح پر معاشرتی عدل کو فروغ دیتا ہے اور طبقات کے درمیان فاصلے کم کرتا ہے۔[22]

ان تمام مالیاتی نظموں کی نگرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود یا آپ کے مقرر کردہ عادل نگران کرتے تھے۔ ان کی شفافیت، عدل اور دیانت پر مبنی نظامِ نگرانی نے بیت المال کے نظام کو بد عنوانی سے محفوظ رکھا اور ریاستی اعتماد کو فروغ دیا۔

بیواؤں یتیموں اور معذوروں کی سرکاری کفالت: نبوی ریاست کے مالیاتی اور سماجی ڈھانچے کی تشکیل میں ان افراد کی کفالت کو مرکزی اہمیت حاصل رہی جو کسی بھی وجہ سے اپنی کفالت سے قاصر تھے۔ خاص طور پر بیواؤں، یتیموں، معذوروں اور نادار طبقات کی معاشی سرپرستی نہ صرف انفرادی نیکی کا عمل تھی بلکہ ریاستی پالیسی کا حصہ تھی۔ یہ امر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غربت کے خاتمے کو محض صدقہ و خیرات پر منحصر نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے ایک پائیدار اور منظم فلاحی نظام کی بنیاد رکھی، جس میں بیت المال کو بنیادی وسیلہ بنایا گیا۔ معاشرتی طور پر محروم طبقات کی کفالت، مدینہ کی اسلامی ریاست کے سماجی عدل کے تصور کی عملی تعبیر تھی۔ تاریخ سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے متعدد ایسے اقدامات کیے جن کے ذریعے بیواؤں اور یتیموں کی مالی ضروریات کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔ ابن ہشام ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یتیموں کی دیکھ بھال کرنے والوں کو نہ صرف فضیلت دی بلکہ ان کے لیے بیت المال کے دروازے کھول دیے تاکہ ان پر بوجھ نہ بنے۔[23]

یہ تمام فلاحی اقدامات نہ صرف وقتی حل تھے بلکہ ایک مستقل ریاستی نظام کے قیام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے غربت کے خاتمے کے لیے صرف امیر طبقے کو زکوٰۃ دینے کا پابند نہیں بنایا بلکہ ریاست کو ایک فعال ضامن بنایا جو خود سے ان افراد کی کفالت کا بندوبست کرے جو محرومی اور معذوری کے باعث کمزور ہو چکے ہوں۔

چوری سود اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: اسلامی تعلیمات میں غربت کو محض مالی محرومی نہیں بلکہ معاشرتی عدل کے فقدان کا نتیجہ تصور کیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے غربت کے اسباب کے انسداد کے لیے جو جامع حکمت عملی اپنائی، اس میں تین بنیادی عوامل: چوری، سود اور ذخیرہ اندوزی کی واضح ممانعت نمایاں طور پر شامل ہے۔ یہ تینوں عناصر نہ صرف افراد کے معاشی حقوق کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ معاشرے میں طبقاتی تفاوت، احساسِ محرومی اور استحصال کی بنیاد بن جاتے ہیں۔

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے عہدِ میں ایک عورت نے چوری کی۔ لوگوں نے مشورہ کیا کہ اس معاملے میں براہ راست بات کرنا مناسب نہیں، چنانچہ کہا گیا کہ رسول کریم ﷺ کے چہیتے صحابی سیدنا اسامہ بن زید اس بارے میں گفتگو کریں۔ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کی، تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اسامہ، کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ بنی اسرائیل اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب بااثر شخص جرم کرتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا، اور کمزور پر سزا نافذ کی جاتی۔ اس ذات کی قسم کہ میری جان ہے جس کے قبضہ قدرت میں، فاطمہ بنتِ محمد بھی اگر چوری کرتیں، تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"[24]

اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؐ کی نظر میں کسی کی معاشی کمزوری کا استحصال کسی صورت برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح سود کو اسلامی معیشت کی بربادی کا بنیادی سبب قرار دیا گیا۔ سود کا نظام دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرتا ہے، محنت کش اور نچلے طبقے کے افراد کو مالی دباؤ میں لاتا ہے اور غربت کے چکر کو بڑھاتا ہے رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی مکمل ممانعت کا اعلان کیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"ابو حرۃ رقاشی اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایامِ تشریق میں رسول کریم ﷺ کی سواری کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اردگرد موجود لوگوں کو ہٹا رہے تھے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگو! خبردار ہو جاؤ، جاہلیت کے دور کا ہر قسم کا سود آج کے دن کالعدم قرار دیا جا چکا ہے۔ سن لو! سب سے پہلا سود جسے میں مٹاتا (یعنی ختم) کرتا ہوں، وہ سیدنا عباس بن عبد المطلب

کا سود ہے، وہ بھی مکمل طور پر معاف ہے۔ تمہارے لیے تمہارے اصل سرمایہ باقی رہیں گے۔ نہ تم کسی پر بھی ظلم کروگے اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا۔"[25]

سود کی یہ حرمت معاشرتی سطح پر ایسا معاشی توازن قائم کرتی ہے جس میں کمزور کو سہارا اور طاقتور کو حد کا پابند بنایا جاتا ہے، تاکہ کوئی بھی مالی دباؤ سے کچلا نہ جائے۔

ذخیرہ اندوزی کو بھی رسول اللہ ﷺ نے غربت اور قلت کے اسباب میں شمار کیا۔ جب کوئی فرد اگر وہ ضروریاتِ زندگی کی اشیاء کو صرف اس لیے جمع کرلے کہ قیمتیں بڑھنے پر زیادہ منافع کما سکے، تو اس کا بلا واسطہ اثر غریب طبقے پر پڑتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص (اشیاء کو) ذخیرہ کرے، وہ گنہگار ہے۔[26]

یہ تینوں ممنوعات چوری، سود اور ذخیرہ اندوز، معاشی انصاف کے قاتل ہیں۔ نبی کریم "صلی اللہ علیہ وسلم" کی حکمت عملی کا بنیادی مقصد ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جہاں مال و دولت کی منصفانہ تقسیم ہو، مالی وسائل کا ارتکاز نہ ہو، اور کمزور طبقات کا استحصال ممکن نہ ہو۔ یہی اصول آج کے فلاحی ریاستی تصور کے عین مطابق ہیں، جن کی بنیاد پر غربت کے خلاف ایک دیرپا اور عملی جدوجہد کی جا سکتی ہے۔

خواتین اور بچوں پر غربت کے اثرات: غربت انسانی سماج کی وہ آزمائش ہے جو نہ صرف مالی وسائل کو محدود کرتی ہے بلکہ انسانی عزت، ترقی، تربیت اور فلاح پر بھی کاری ضرب لگاتی ہے۔ اس کا اثر عمومی طور پر پوری آبادی پر پڑتا ہے، مگر اس کا سب سے گہرا اثر خواتین اور بچوں پر ہوتا ہے، کیونکہ یہ طبقات معاشرتی، معاشی، جسمانی اور قانونی لحاظ سے کمزور تر سمجھے جاتے ہیں۔ خواتین کو تعلیم، صحت، تحفظ اور خود مختاری جیسے بنیادی حقوق کی محرومی کا سامنا ہوتا ہے، جب کہ بچے غذائی قلت، تعلیم سے محرومی، جذباتی تناؤ اور جسمانی مشقت جیسے مسائل کی زد میں آجاتے ہیں۔

خواتین جب غربت کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے ان کی تعلیم متاثر ہوتی ہے۔ غریب گھرانے عموماً لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں اور لڑکیوں کو گھر کے کام یا کم عمری میں شادی کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں۔ یونیسف کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں سب سے زیادہ اسکول نہ جانے والی بچیوں کا تعلق غریب گھرانوں سے ہے۔ نتیجتاً وہ نہ صرف ناخواندہ رہتی ہیں بلکہ آنے والی نسل کی تربیت میں بھی کمزور ثابت ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو عزت، تعلیم، محنت اور خود مختاری کا حق دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا ذکر آتا ہے کہ وہ اپنے شوہر زبیرؓ کے لیے کھجوریں لانے کے لیے کئی میل دور تک چلتی تھیں اور محنت مزدوری میں شریک ہوتی تھیں:

"میں اپنے کندھے پر کھجوروں کا تھیلا لاد کر مدینے سے دور شوہر کے باغ تک لے جاتی تھی"[27]

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے عورت کو محنت کی اجازت دی، مگر باوقار دائرے میں تاکہ وہ غربت سے محفوظ رہ سکے۔

محنت ہنر اور روزگار کے فروغ کی نبوی حکمت عملی: غربت کا سب سے زیادہ اثر بچوں اور خواتین پر ہوتا ہے اور اس کے حل کے لیے نبی کریم ﷺ نے خواتین کو تجارتی سرگرمیوں میں شریک کروایا، خواتین مختلف کام کیا کرتی تھیں، جیسا کہ حضرت خدیجہؓ مال تجارت خود بھی تجارت کرتی تھیں اور خواتین کو بھی مال تجارت دیا کرتی تھیں۔ اور آپ ﷺ نے کفالت کا نظام رائج کیا۔ دورِ حاضر میں ان مسائل کو اس طرح سے حل کرکے ہم غربت پر قابو پاسکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں معاشی خود کفالت اور عزتِ نفس کے ساتھ روزگار اختیار کرنا بنیادی اصولوں میں شامل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غربت کے خاتمے کے لیے محض مالی امداد کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ مستقل اور بامقصد روزگار، پیشہ ورانہ مہارت، اور معاشی سرگرمیوں کی ترغیب کو ترجیح دی۔ سیرت نبوی کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاشی محرومی کو محض مالی مسئلہ

نہیں بلکہ سماجی و اخلاقی چیلنج کے طور پر دیکھا اور اس کے حل کے لیے ایسی حکمت عملی اپنائی جس میں محنت ہنر اور پیشہ اختیار کرنا مرکزی مقام رکھتے ہیں۔

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ "کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" اس نے جواب دیا: "ایک چادر ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھالیتا ہوں، اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ دونوں چیزیں لے آؤ۔" پھر آپؐ نے ان دونوں کو نیلام کیا اور دو درہم حاصل کیے۔ ایک درہم سے کھانے کا سامان خریدا اور اس شخص کو دیا، اور دوسرے درہم سے کلہاڑی خرید کر اسے دی اور فرمایا: "جاؤ، جنگل سے لکڑیاں کاٹو اور بازار میں بیچو۔" کچھ دنوں بعد وہ شخص آیا اور کہا کہ "میں نے کمانا شروع کر دیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "یہ تمہارے لیے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ سوال کرو اور قیامت کے دن تمہارے چہرے پر اس کا داغ ہو"[28]

یوں سیرتِ نبوی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ غربت کے خلاف کامیاب حکمت عملی صرف وقتی امداد سے نہیں بلکہ افراد کو معاشی طور پر بااختیار بنانے، ہنر سکھانے، روزگار کی راہیں کھولنے اور عزتِ نفس کے ساتھ زندگی گزارنے کی ترغیب دینے سے جڑی ہوئی ہے۔ موجودہ دور میں اس نبوی حکمت عملی کو اپنانا ہی دراصل اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی عملی صورت ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں خواتین کی معاشی سرگرمیاں: اسلام نے عورت کو معاشی خودمختاری، محنت کا حق اور عزت کے ساتھ کمائی کے مواقع فراہم کیے۔ عہدِ نبوی ﷺ کی خواتین نہ صرف دینی و سماجی سرگرمیوں میں شریک تھیں بلکہ معاشی میدان میں بھی فعال کردار ادا کرتی رہیں۔ اسلامی تعلیمات میں عورت کو عزت، عفت، کفالت اور خودانحصاری کے ساتھ روزگار کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی حدود کا خیال رکھے۔ عہدِ نبوی میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں کی یہ تاریخ آج کے دور کی مسلم خواتین کے لیے ایک روشن مثال ہے۔

حضرت خدیجہؓ قریش کے معزز اور متمول قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد خویلد بن اسد مکہ کے ممتاز تاجروں میں سے تھے، اور حضرت خدیجہؓ نے انہی سے تجارت کے اصول و ضوابط سیکھے۔ بعد ازاں والد کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ نے نہ صرف کاروبار کو سنبھالا بلکہ اسے وسعت بھی دی۔ حضرت خدیجہؓ کی تجارت کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا کاروباری دیانت اور اعتماد تھا۔ آپؓ اجرت پر عاملین اور کاروان روانہ کرتی تھیں اور منافع کی منصفانہ تقسیم کرتی تھیں۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کو بھی اپنا نمائندہ بنایا اور آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی دیانت اور امانتداری کی خود گواہی دی:

"میں نے آپ کی سچائی، دیانت، اور حسنِ اخلاق کی بنیاد پر آپ کو چنا۔"[29]

عرب میں تجارتی دنیا میں مردوں کی اجارہ داری تھی، لیکن حضرت خدیجہؓ نے اپنی ذہانت اور بصیرت سے اس روایت کو توڑا۔ آپ کی تجارت اس قدر وسیع تھی کہ مکہ کے اکثر قافلے آپ کے زیرِ انتظام ہوتے تھے۔ مؤرخین کے مطابق مکہ کے مالدار طبقے میں آپؓ کا مال سب سے زیادہ شمار ہوتا تھا۔[30]

حضرت خدیجہؓ صرف تجارتی شخصیت نہ تھیں بلکہ وہ معاشرے کے کمزور اور پسماندہ طبقات کی ہمدرد و کفیل بھی تھیں۔ آپؓ نے کئی یتیم بچیوں کو پالا اور ان کی شادیوں تک کا انتظام کیا۔ ان میں سے حضرت ہند بنت ابی ہالہؓ اور زینب بنت خزیمہؓ بھی شامل ہیں جنہیں آپ نے بطور بیٹی اپنایا۔ اس طرح کی سرپرستی اس وقت کے معاشرے میں حیرت انگیز تصور تھی جہاں بیٹیوں کو زندہ در گور کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرے کا نقشہ یوں کھینچا:

"وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ"[31] "اور جب زندہ دفن کی گئی بیٹی سے پوچھا جائے گا، کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی؟"

حضرت خدیجہؓ نے اس طرزِ معاشرت کو عملاً رد کیا اور اسلام کے ابتدائی دور میں ہی یتیموں اور غریب خواتین کے لیے ایسا مثالی کردار پیش کیا جو آج کی خواتین کے لیے بھی رہنما ہے۔

حضرت فاطمہؓ اور اسماءؓ کے کام: اسلام نے جس طرح مردوں کو محنت، رزقِ حلال اور جدوجہد کا درس دیا، اسی طرح خواتین کو بھی معاشرتی عزت و احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے باوقار روزگار اور محنت کی اجازت و ترغیب دی۔ نبی کریم ﷺ کے عہدِ میں خواتین کا کردار محض خانگی امور تک محدود نہ تھا، بلکہ انہوں نے مختلف اوقات میں مالی و جسمانی محنت کے ذریعے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ اس سلسلے میں نمایاں ترین مثالیں ہیں جن کی زندگیاں خواتین کے لیے باوقار روزگار اور عزت نفس کے اصولوں پر مبنی ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کی محنت اور گھرداری میں جدوجہد: حضرت فاطمہؓ، نبی کریم ﷺ کی لاڈلی بیٹی ہونے کے باوجود دنیاوی آسائشوں سے خالی ایک سادہ زندگی گزارتی تھیں۔ ان کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی تو ان کے گھر کے تمام کام، جن میں آٹا پیسنا، چکی چلانا، پانی بھرنا اور جھاڑو دینا شامل تھے، وہ خود انجام دیتی تھیں۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں: "فاطمہ پانی لاتی تھی یہاں تک کہ اس کے سینے پر مشکیزہ کا نشان پڑ جاتا، چکی پیستی تھی یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں پر اثرات ہو جاتے۔"[32] اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں خواتین کے لیے محنت اور گھریلو مشقت کو معیوب نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے باعثِ اجر قرار دیا گیا۔

حضرت اسماءؓ کی محنت کا نمونہ: حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر بھی فداکار اور صابر خاتون تھیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیر بن عوامؓ سے ہوا، جو اپنی ابتدائی زندگی میں مالی لحاظ سے بہت محدود وسائل رکھتے تھے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: "میں گھوڑے کو چارہ دیتی، اس کی دیکھ بھال کرتی، پانی بھر کر لاتی، آٹا گوندھتی، روٹی پکاتی، اور کھجور کی گٹھلیاں پیس کر گھوڑے کو کھلاتی۔"[33]

ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود حضرت اسماءؓ نے شکایت یا مایوسی کا اظہار نہ کیا بلکہ صبر اور رضامندی سے محنت کو اپنا شعار بنایا۔

سیدہ اُمِّ سُلیمؓ: محنت، کفالت اور تربیتِ اطفال میں مثالی کردار: اسلامی تاریخ میں کئی ایسی عظیم خواتین گزر چکی ہیں جنہوں نے نہ صرف دین کی نصرت کی بلکہ معاشرتی و خاندانی زندگی میں بھی اپنے کردار سے روشن مثالیں قائم کیں۔ ان ہی ممتاز خواتین میں ایک نمایاں نام سیدہ اُمِّ سُلیمؓ بنت ملحان کا ہے، جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ تھیں۔ جب اُمِّ سُلیمؓ نے اسلام قبول کیا تو انھیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ اپنے ایمان پر ڈٹی رہیں۔ جب ان کے شوہر نے زبردستی اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا تو آپؓ نے فرمایا: "میں نہ محمد ﷺ کا انکار کروں گی، نہ اپنے رب کو چھوڑوں گی۔"

بالآخر ان کے شوہر ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں مر گئے۔ یوں اُمِّ سُلیمؓ ایک بیٹے، حضرت انسؓ کے ساتھ بیوہ ہو گئیں۔[34]

حضرت اُمِّ سُلیمؓ کی زندگی میں شوہر کے انتقال کے بعد معاشی حالات سخت ہو گئے، مگر انہوں نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے خود کفالت کا راستہ اختیار کیا۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنے بیٹے حضرت انسؓ کی پرورش کرتیں، ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رکھتیں اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا:

"یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا انس ہے، میں اسے آپ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں، آپ اسے اپنا خادم بنالیں۔"[35]

حضرت اُمِّ سُلیمؓ نہایت محنتی اور باعزت خاتون تھیں۔ انھوں نے کبھی اپنے بیٹے یا اپنی ذات کے لیے سوال کا راستہ نہیں چنا۔ رزقِ حلال کے حصول کے لیے دن رات جدوجہد کی۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ صحابیات میں ایسی خواتین کی کمی نہیں جو باوقار انداز میں معاشی ذمہ داریاں اٹھاتی

تھیں۔[36] حضرت اُمِّ سُلیمؓ کی حیاتِ طیبہ ہمیں سکھاتی ہے کہ عورت چاہے بیوہ ہو یا ماں، اگر وہ محنت، اخلاص، دین فہمی اور صبر سے کام لے تو وہ نسلوں کی تربیت کر کے معاشرہ کی تعمیر میں عظیم کردار ادا کر سکتی ہے۔

ہاتھ سے کمانے والی خواتین کی اہمیت: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عورت کے ہاتھ کی کمائی سب سے بہتر رزق ہے۔"[37]

حضرت زینبؓ، جو عبد اللہ بن مسعودؓ کی زوجہ تھیں، اپنی محنت سے کما کر شوہر اور بچوں کی کفالت کرتی تھیں۔ جب انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان پر صدقہ بھی واجب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اور تمہیں اس کا دوہرا اجر ملے گا: قرابت کا اور صدقے کا۔"[38] یہ حدیث معاشی خود کفالت کی مکمل دینی تائید ہے۔

خواتین کی گھریلو صنعتوں میں مہارت: عہدِ نبوی کی خواتین روایتی گھریلو صنعتوں جیسے کہ اون کاتنے، کپڑے بنانے، چکی پیسنے، کھجوروں کی صفائی، جھاڑو دینے، اور پانی بھرنے جیسے کاموں میں شامل تھیں۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ چکی پیسنے سے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں، لیکن صبر اور رضا کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "فاطمہؓ کے ہاتھ چکی پیسنے سے زخمی ہو گئے، نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں بہتر بدلہ دے گا۔"[39]

خواتین کی مالی خود مختاری: اسلام میں عورت کو مالی خود مختاری دی گئی ہے۔ نکاح کے وقت مہر، وراثت، نفقہ، اور کمائی سب اس کا ذاتی حق ہیں۔

"وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً..."[40] "اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو۔"

حضرت عائشہؓ، ام سلمہؓ، حضرت جویریہؓ اور دیگر ازواجِ مطہراتؓ نے اپنی مالی حیثیت میں خود فیصلے کیے، غلام آزاد کیے، مال خرچ کیا، اور تجارت بھی کی۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں یتامیٰ کی کفالت کا عملی نمونہ: نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس بذات خود یتیم بچے کی حیثیت سے پروان چڑھی، اور آپ نے عملاً یتامیٰ اور مفلس بچوں کی کفالت و سرپرستی کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم فرمائیں۔

1. حضرت زید بن حارثہؓ کی پرورش و محبت: حضرت زید بن حارثہؓ کو نبی کریم ﷺ نے اپنی سرپرستی میں لیا جبکہ وہ غلام بنا کر مکہ لائے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا، اور انہیں اپنے اہل خانہ میں شامل کیا۔ اہلِ مکہ انہیں "زید بن محمد" کہہ کر پکارنے لگے۔ قرآن نے اس منہ بولے بیٹے کے تصور کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

"ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ"[41] "انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔"

جب زیدؓ کے والد اور چچا انہیں واپس لینے آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اختیار دیا، لیکن حضرت زیدؓ نے اپنے باپ کے ساتھ جانے کے بجائے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے پاس لوگوں کے سامنے فرمایا:

"زید میرا بیٹا ہے، وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔"

یہ وہ مقامِ شرف تھا جو غلامی سے آزادی اور پھر محبتِ نبوی سے حاصل ہوا۔ بعد میں آپ کو پہلا مسلمان صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا اور مختلف غزوات میں سرداری بھی عطا ہوئی (خصوصاً غزوۂ موتہ)۔[42]

2. حضرت علیؓ کی بچپن میں کفالت: حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کے بیٹے تھے، اور اس زمانے میں قریش قحط سے گزر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ مشورہ کر کے طے کیا کہ ابو طالب کی مالی مدد کے لیے ان کے بچوں کو تقسیم کر کے اپنے زیرِ کفالت لیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر لے آئے اور ان کی پرورش فرمائی۔

حضرت علیؓ کی تربیت براہِ راست نبوی نگہداشت میں ہوئی۔ بچپن سے ہی انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق، عبادات، معاملات اور دعاوذکر کو قریب سے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے قدم بقدم زندگی

گزاری۔ ان کی پرورش میں نبی کریم ﷺ نے صرف کفالت ہی نہیں کی بلکہ اخلاقی، روحانی اور فکری تربیت بھی کی، جس کا اثر حضرت علیؓ کی پوری زندگی اور خلافت میں دیکھا جا سکتا ہے۔[43]

3. حضرت ام ایمنؓ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا خصوصی سلوک: حضرت ام ایمنؓ، جن کا اصل نام برکہ بنت ثعلبہؓ تھا، نبی کریم ﷺ کے والدین کی لونڈی تھیں اور آپ کی پیدائش کے وقت موجود تھیں۔ حضرت آمنہؓ کے انتقال کے بعد نبی ﷺ کی پرورش کے دوران ام ایمنؓ نے ماں کی طرح آپ کا خیال رکھا۔ جب آپ ﷺ جوان ہوئے تو حضرت ام ایمنؓ کو آزاد کر کے ہمیشہ ان کی عزت کرتے رہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے: "یہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔"

نبی کریم ﷺ انہیں اتنا عزیز رکھتے تھے کہ شادی کے لیے خود ان کا بندوبست کیا اور انہیں اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح میں دیا۔ ان دونوں سے حضرت اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے، جنہیں نبی کریم ﷺ بہت عزیز رکھتے تھے۔

صفہ کا نظام اور عصر حاضر کے لیے رہنمائی: علامہ ابن سعد ؒ"الطبقات الکبریٰ" میں فرماتے ہیں:

"وکان فی الصفة شباب و اولاد لا مأوی لھم، یتعلمون من رسول اللہ ﷺ"[44]

"صفہ میں نوجوان اور بے سہارا بچے بھی ہوتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرتے تھے۔" یہ حوالہ واضح کرتا ہے کہ صفہ میں بچوں کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ صفہ کا ادارہ ایک ماڈل تھا جس میں تعلیم، خوراک، رہائش اور تربیت، سب کا ایک جامع امتزاج موجود تھا۔ موجودہ دور کے یتیم خانوں، مدرسوں اور کفالتِ اطفال کے اداروں کو چاہیے کہ وہ صفہ کے اس نظام کو نمونہ بنائیں۔ صرف خوراک یا رہائش فراہم کرنا کافی نہیں، بلکہ تعلیم، تربیت، اور روحانی ارتقاء کا مربوط نظام بھی ضروری ہے۔

اصحاب صفہ کی جماعت محض ایک فلاحی منصوبہ نہیں تھی، بلکہ یہ اسلام کے جامع معاشرتی، تعلیمی اور تربیتی نظام کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ ان میں شامل بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم و رہائش کا انتظام رسول اللہ ﷺ کی شخصی نگرانی میں ہوا، جو اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام میں تعلیم اور تربیت کے ساتھ ساتھ سماجی بہبود کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ آج کے دور میں ضرورت ہے کہ ہم صفہ کے اس تصور کو نہ صرف محفوظ رکھیں بلکہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اسے اپنائیں۔

عصر حاضر میں نبوی حکمت عملیوں کی تطبیق: رسول کریم ﷺ کی معیشت پر مبنی حکمت عملی صرف ایک تاریخی مثال نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گی فکری و عملی ماڈل ہے، جو ہر دور کے سماجی و معاشی مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ غربت کے خاتمے کے لیے آپ ﷺ نے جو عملی اقدامات فرمائے، وہ آج بھی اسی طرح قابلِ تطبیق ہیں جیسے چودہ سو سال قبل تھے۔ عصر حاضر میں جب دنیا سرمایہ دارانہ استحصال، طبقاتی خلیج، بے روزگاری، اور مہنگائی جیسے مسائل سے دوچار ہے، تو ایسے میں نبوی حکمت عملیوں کو موجودہ ریاستی و سماجی ڈھانچے میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے موجودہ دور کی ریاستوں کو چاہیے کہ وہ خیرات، زکوٰۃ اور عطیات کو رسمی اور غیر منظم انداز سے نکال کر باقاعدہ ادارہ جاتی نظام کے تحت عوامی فلاح میں استعمال کریں۔ صرف خیرات کی فراہمی سے غربت کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم، شفاف نظامِ کفالت اور محتاج طبقات کی از سر نو بحالی کو قومی پالیسی کا حصہ بنایا جائے۔ یہی وہ اصول ہیں جن پر مدینہ منورہ کی فلاحی ریاست نے بنیاد رکھی تھی، اور جنہیں آج کے ترقی یافتہ معاشرے ویلفیئر اسٹیٹ کے نام سے اپنا رہے ہیں۔

اسی طرح ریاستی بجٹ کی تشکیل میں محروم طبقات کے لیے وسائل مختص کرنا، ان کی تعلیم، صحت، رہائش اور روزگار کے مواقع کی فراہمی کو اولین ترجیح دینا، وہ اقدامات ہیں جن کی بنیاد اسلامی ماڈل میں موجود ہے۔ محض مالی امداد دینا کافی نہیں، بلکہ معاشی خودمختاری کے لیے فنی تربیت، چھوٹے کاروبار اور نوجوانوں کو باعزت روزگار کی فراہمی اس وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

خلاصہ بحث: اسلام نے اپنی ابتدائی تعلیمات ہی سے انسانیت کے مسائل کے حل کو اپنا مرکز بنایا، اور ان میں سب سے اہم مسئلہ غربت کا تھا، جو فرد کی شخصیت، معاشرتی ڈھانچے اور تمدنی توازن کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فقر و افلاس کو نہ صرف ایک معاشی چیلنج کے طور پر دیکھا بلکہ اسے انسانی عزت، وقار اور روحانی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ سمجھا۔ اس لیے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں غربت کے خلاف جدوجہد ایک جامع اور مربوط نظام کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے غربت کے خاتمے کے لیے انفرادی سطح پر خودداری، محنت، قناعت اور ایثار کو فروغ دیا، تو ریاستی سطح پر زکوٰۃ، بیت المال، انفاق فی سبیل اللہ، قرض حسنہ، مالِ غنیمت کی منصفانہ تقسیم، اور یتیموں و بیواؤں کی کفالت جیسے انقلابی اقدامات کیے۔ آپؐ نے چوری، سود اور ذخیرہ اندوزی جیسے استحصالی عوامل کی نہ صرف مذمت کی بلکہ عملی طور پر ان کا قلع قمع کیا۔ یہی نہیں، بلکہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے، ہنرمندی کی حوصلہ افزائی کرنے، اور وسائل کی عادلانہ تقسیم جیسے اقدامات نبوی معیشت کا بنیادی حصہ بنے۔ یہ تمام اقدامات نہ صرف اس وقت کے محروم طبقات کے لیے باعثِ سکون بنے بلکہ آج کے دور کے لیے بھی ایک مستقل رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ تمام حکمت عملیاں آج بھی اپنی معنویت اور افادیت رکھتی ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ مسلم ریاستیں اور سماج اس فکری ورثے کو محض مذہبی تعلیمات کے دائرے میں محدود نہ رکھیں، بلکہ اسے ایک عملی ماڈل کے طور پر اپنائیں۔ آج کے سماجی، قانونی اور معاشی نظام میں اگر نبوی اصولوں کو مؤثر انداز میں ضم کیا جائے، تو نہ صرف غربت کا خاتمہ ممکن ہے بلکہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے جو عدل، مساوات، رحم، تعاون اور خودداری جیسے اعلیٰ انسانی اقدار پر قائم ہو۔ نبی کریم ﷺ کا دیا ہوا یہ نظام صرف ایک دینی عقیدت کا تقاضا نہیں، بلکہ انسانیت کے نجات کا مجرب نسخہ ہے۔

حوالہ جات

1 محمد بن مکرم، لسان العرب (قاھرہ: نشر مطبع امیریہ، 1883ء) 1/622۔

2 راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن (لاہور: المکتبۃ القاسمیہ، 1963ء)، 371۔

3 القرآن: 2:273۔

4 ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح البخاری (الریاض: الکتب السنہ دار الإسلام للنشر والتوزیع، 1999ء)، رقم الحدیث: 6490۔

5 ابن سعد، الطبقات الکبری (بیروت: دار صادر، 1990ء)، 1/372۔

6 ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داود (الریاض: الکتاب السنہ دار الاسلام للنشر والتوزیع، 1999ء)، رقم الحدیث: 5090

7 سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الأوسط للطبرانی (بیروت، 1995ء)، رقم الحدیث: 4781۔

8 القرآن: 42:38۔

9 عبد الملک بن ہشام بن ایوب، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام (بیروت: دار ابن کثیر، 1998ء)، 1/504۔

10 القرآن: 7:107، 4۔

11 القرآن:60:9۔

12 البخاری، الجامع الصحیح البخاری، رقم الحدیث:1400۔

13 القرآن:34:9۔

14 البخاری، الجامع الصحیح البخاری، رقم الحدیث:893۔

15 محمد شبلی نعمانی، سیرت النبی (اعظم گڑھ: مطبع معارف، 1923ء)، 152/2۔

16 القرآن:59:59۔

17 البخاری، الجامع الصحیح البخاری، رقم الحدیث:3780۔

18 محمد بن محمد غزالی شافعی، احیاء العلوم (کراچی: شہید مسجد کھارادر، 1433ھ)، 122/2۔

19 ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ (قاھرہ: دار المعارف قاہرہ، س ن)، 491/2۔

20 ابو عبیدہ قاسم بن سلام، کتاب الاموال (بیروت: دار الفکر 1981ء)، 261۔

21 یعقوب بن ابراہیم یوسف، کتاب الخراج (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2005ء)، 30۔

22 القرطبی، الجامع الاحکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، 136/8۔

23 ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 371/2۔

24 احمد بن شعیب بن علی النسائی، سنن نسائی (دمشق: دار الرسالت العامیہ، 1431ھ)، رقم الحدیث:4901۔

25 عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، سنن الدارمی (بیروت: دار المغنی، 1412ھ)، رقم الحدیث:2570۔

26 مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح المسلم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، رقم الحدیث:1605۔

27 محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (ریاض: مکتبہ دار السلام، 1999ء)، رقم الحدیث:5224۔

28 ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد (الریاض: دار الاسلام للنشر والتوزیع، 1999ء)، رقم الحدیث:1641۔

29 ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری (بیروت: دار صادر، س ن)، 131/1۔

30 ابن عبد البر، الاستیعاب، 377/4۔

31 القرآن:8:81۔

32 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داؤد (الریاض: الکتاب السنہ دار الاسلام للنشر والتوزیع، 1999ء)، رقم الحدیث: 6035۔

33 البخاری، الجامع الصحیح، البخاری، کتاب النکاح، رقم الحدیث:5224۔

34 ابن سعد، محمد بن سعد۔ الطبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر، 1968ء)، 427/8۔

35 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث:12544۔

36 ابن حجر عسقلانی۔ الإصابة في تمييز الصحابة (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1995ء)، 437/4۔

37 احمد بن حنبل، مسند احمد، رقم الحدیث:26045۔

38 البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث:1466۔

39 البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب النفقات، رقم الحدیث:5191۔

40 القرآن:،:4۔

41 القرآن:،5:33۔

42 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ،3/37۔

43 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ،1/268۔

44 ابن سعد، الطبقات الکبری،2/357۔